International Research Journal of Religious Studies, Vol.:4, Issue: 01, Jan-June, 2024PP: 226-249

OPEN ACCESS
IRJRS
ISSN (Online): 2959-1384
ISSN (Print): 2959-2569
www.irjrs.com

منتخب اردو تفاسیر میں مسائلِ معیشت کا تجزیاتی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF ECONOMIC ISSUES IN SELECTED URDU INTERPRETATIONS (TAFAASEER)

Dr. Abdul Malik
PhD in Seerah, International Islamic University Islamabad.
Email: Malikmansori@gmail.com

Dr. Muhammad Ibrahim
Assistant Professor, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University Mansehra
Email: mibrahim.pak@gmail.com

Dr. Muhammad Noman
Assistant Professor, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat.
Email: numanm964@gmail.com

Abstract

In contemporary discourse, a common misconception is that Islam does not offer a comprehensive economic system. While it is true that the Quran, the primary source of Islamic law, does not discuss economics in the detailed manner of specialized economic textbooks, it provides essential principles guiding various aspects of life, including economics. This research investigates these principles as derived from Quranic verses, examining how classical and modern Urdu exegeses interpret them. The study focuses on the economic principles within the Quran, using four major Urdu commentaries: Maariful Quran by Mufti Muhammad Shafi, Tafheem-ul-Quran by Maulana Maududi, Tibyan-ul-Quran by Allama Ghulam Rasool Saeedi, and Rooh-ul-Quran by Pir Karam Ali Shah Al-Azhari. These commentaries were selected to explore whether Urdu scholars interpret the relevant verses through an economic lens. The findings demonstrate that the Quran provides timeless and universally applicable economic principles. These principles, when derived by the commentators, show that the Quranic approach to economics transcends time and can be implemented in any era, offering an alternative to contemporary capitalist and socialist systems. The research concludes that Islam proposes a complete economic system based on these principles, as evidenced by the thorough and principle-oriented interpretations found in the selected Urdu exegeses. This study contributes to a deeper understanding of Islamic economics and highlights its relevance and applicability in modern times.

Keywords: *Islamic economics, Quranic principles, Urdu Tafasir.*

تمہید:

عصرِ حاضر میں اسلام پر پیش کی جانے والے دیگر شبہات کی طرح یہ ایک شبہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اسلام معیشت کے حوالے سے کوئی مستقل نظام پیش نہیں کرتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام معیشت سے اس طرح گفتگو نہیں کرتا جس طرح معیشت کی ایک کتاب اس کی تعریفات واقسام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ اسلامی قوانین کا مصدرِ اصلی قرآن کریم کتابِ ہدایت ہے، کتاب معیشت نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اسلامی معیشت سے متعلق واضح ہدایات نہیں دیتا بلکہ صرف معیشت ہی نہیں قرآن کریم دیگر علوم سے متعلق بھی اس طرح گفتگو نہیں کرتا جس طرح اس فن کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ قرآن کریم پوری زندگی گزارنے کی طرف راہنمائی کرتا ہے، چنانچہ قرآن کریم سیاست سے متعلق بھی اس انداز سے بحث نہیں کرتا جس طرح سیاسیات کی کتب بحث کرتی ہیں لیکن وہ سیاسی اعتبار سے نہایت اہم اصول فراہم کرتا ہے جو تا قیامت قابلِ عمل ہوتے ہیں اور ان کی روشنی میں کسی بھی دور میں زمامِ سیاست سنبھالی جاسکتی ہے۔

اسلام کا طرز اور منہج یہ ہے کہ یہ کسی بھی موضوع سے متعلق ایسے اصول فراہم کرتا ہے جو کسی بھی زمانے میں مکمل طور پر قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلام نے معیشت سے متعلق بھی ایسے اصول فراہم کیے ہیں جو آج سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کے بالکل مساوی طور پر اور زیادہ فائدہ مند طریقے پر قابلِ عمل ہیں۔ قرآن کریم کی جن آیات سے یہ اصول مترشح ہوتے ہیں ان سے قدیم وجدید مفسرین نے بحث کی ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں اردو تفاسیر کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان آیات سے اردو مفسرین معیشت سے متعلق ان اصولوں پر بحث کرتے ہیں یا انہیں معاشی نقطہ نظر سے نہیں دیکھتے۔ چونکہ پورے معاشی نظام کے اصولوں پر بحث کرنا ممکن نہیں لہٰذا معیشت کے چند اہم اصول ہی مقالہ کا موضوع ہونگے جو اس بات کے لیے کافی شواہد ہونگے کہ اردو مفسرین بھی ان آیات سے اصولِ معیشت ہی اخذ کرتے ہیں۔ اس کے لیے اردو تفاسیر میں سے معارف القرآن (مفتی محمد شفیعؒ)، تفہیم القرآن (مولانا مودودیؒ)، تبیان القرآن (علامہ غلام رسول سعیدیؒ) اور روح القرآن (پیر کرم علی شاہ الازہریؒ) کا انتخاب کیا گیا ہے۔

معیشت کا لغوی واصطلاحی معنی

معیشت کے اسلامی اصولوں کو اردو مفسرین کی تفسیر کی روشنی میں جاننے سے قبل یہ ضروری ہے کہ معیشت کی لغوی واصطلاحی تعریف پیش کی جائے، جو کہ درج ذیل ہے:

معیشت کے لغوی معنی

معیشت دراصل عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی حروف "ع، ی، ش" ہے، عربی لغت میں کسی بھی لفظ کے معنی جاننے کے لئے اس لفظ کے حروفِ اصلیہ کے معنی معلوم کیے جاتے ہیں، چنانچہ اس لفظ کے حروفِ اصلیہ کے بارے میں مختار الصحاح میں ذکر ہے کہ "عیش" کے معنی حیات کے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

(الْعَيْشُ) الْحَيَاةُ[1]

اسی عیش سے معیشت استعمال ہوتا ہے، چنانچہ تہذیب اللغۃ میں مذکور ہے کہ:

عيش: يقال: عاش يعيش عيشا ومعاشا ومعيشة وعيشة ومعيشا بغير هاء.[2]

"عیش" کے معنی میں ہر کھانے پینے والی چیز اور جو چیز زندگی سے متعلق ہو، عیش کے معنی میں شامل ہوتی ہے۔ امام اللغۃ ابو منصور فرماتے ہیں:

وقال الليث: العيش: المطعم والمشرب وما يكون به الحياة. والمعيشة: اسم ما يعاش به.[3]

امام لیث سے یہی بات علامہ زبیدی نقل کرتے ہیں:

والمَعِيشَةُ: الَّتِي تَعِيشُ بِهَا من المَطْعَمِ والمَشْرَبِ، قالَهُ اللَّيْثُ. و {العَيْشُ،} والمَعِيشَةُ: مَا تَكُونُ بِهِ الحَيَاةُ. و {المَعَاشُ} والمَعِيشُ والمَعِيشَةُ: مَا {يُعَاشُ بِهِ، أَو فِيهِ، فالنَّهارُ}[4]

لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں اس لفظ کے معنی کا خلاصہ یوں بیان ہوا:

المعاش والمعيش والمعيشة: ما يعاش به، وجمع المعيشة معايش[5]

یعنی ہر وہ چیز جو زندگی سے وابستہ ہے، معیشت کہلاتی ہے۔

اردو زبان میں لفظ "تعیش" کا استعمال بھی دراصل اسی لفظ سے بنا ہوا ہے جس کا معنی زندگی گزارنے کے اسباب میں تکلف اختیار کرنا ہے۔ صحاح میں علامہ فارابی فرماتے ہیں:

والتعيش: تكلف أسباب المعيشة.[6]

مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ:

العَيْشُ: الحياة المختصّة بالحيوان، وهو أخصّ من الحياة، لأنّ الحياة تقال في الحيوان، وفي الباري تعالیٰ، وفي الملک، ويشتقّ منه المَعِيشَةُ لما يُتَعَيَّشُ منه.

ع ی ش: العیش خاص کر اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوان میں پائی جاتی ہے اور یہ لفظ الحیاۃ سے اخص ہے کیونکہ الحیاۃ کا لفظ حیوان باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور العیش سے لفظ المعیشۃ ہے جس کے معنی ہیں سامان زیست کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن زندگی بسر کی جاتی ہے۔

معیشت کے اصطلاحی معنی:

معیشت کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد معیشت کے اصطلاحی معنی ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز میں معاشیات کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے پڑتا ہے جو ایک فرد سے لے کر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔"

آدم سمتھ (Adam Smith) جن کو بابائے معیشت اور اکنامکس کا بانی کہا جاتا ہے، معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Economics is a study of Wealth."[7]

معاشیات دولت کے مطالعہ کو کہا جاتا ہے۔

Alfrad Marshall معاشیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Economics is a science which studies human behavior as a relationship between ends and scarce means with alternative uses.[8]

پروفیسر روبنز لکھتے ہیں:

Economics is a science which studies human behavior as a relationship between ends and scarce means with alternative uses.[9]

معیشت کی یہ تعریفات غیر مسلم مفکرین کی پیش کی گئی ہیں جبکہ معیشت کی اسلامی مفکرین نے بھی تعریفات کی ہیں، ذیل میں مسلم ماہرین معاشیات کی تعریفات پیش ہیں:

امام غزالیؒ[10] فرماتے ہیں:

"دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہٰذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔"[11]

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

"معاش رزق ڈھونڈنے کا اور اسے حاصل کرنے کے لئے کوشش کا نام ہے۔"[12]

شاہ ولی اللہؒ معاشیات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"افرادِ معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت وآمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام "علمِ معیشت" کہلاتا ہے۔"[13]

مشہور ماہر معیشت میاں محمد اکرم خان تحریر کرتے ہیں:

"معاشیات اسلام کا مقصد انسانی فلاح کا مطالعہ کرنا جو کہ زمینی وسائل کو منظم کرنے، حصہ لینے اور باہمی تعاون سے حاصل ہوتی ہے۔"[14]

معاشیات کے مترادفات:

معاشیات کے لئے کئی دوسرے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں جن میں اقتصادیات اور اکنامکس شامل ہیں۔ چنانچہ اکنامکس، اقتصادیات اور معاشیات یہ سب ہم معنی لفظ ہے یعنی مترادفات الفاظ ہیں۔

اسلامی معیشت اور قرآن حکیم:

معیشت کی درج بالا تعریفات کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ معیشت اس دنیا میں بقاء زندگی کے لیے حصول آمدنی کی محنت کا نام ہے، زندگی کی ریل پیل باقی رکھنے کے واسطے جو چیز ضروری ہے اس کے حصول کا نام معیشت ہے اور پھر اسلامی معیشت کی

اصطلاح میں کمائی کے حلال اور حرام طریقوں کی پہچان بھی شامل ہو جاتی ہے۔ ذیل میں چاروں تفاسیر کا معیشت کے تعارف اور اسلامی معیشت کے بنیادی خدوخال کے لحاظ سے جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

معارف القرآن کی روشنی میں:

۱۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ 15

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے قدرت دی تم کو زمین میں اور بنائی ہم نے تمہارے لیے زمین میں روزی بہت کم تم شکریہ ادا کرتے ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لئے اس (زمین) میں سامان زندگی پیدا کیا (جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تم اس کے شکریہ میں فرمانبردار و اطاعت شعار ہوتے، لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (مراد اس سے اطاعت ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں، لیکن بوجہ ایمان نہ ہونے کے وہ قابل اعتبار نہیں۔)"

مفتی شفیع صاحبؒ نے درج بالا آیت کی تفسیر میں لفظ "معایش" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے "سامانِ زندگی" کے ذریعے بیان کی ہے جس سے معیشت کی اصطلاحی تعریف جامع انداز میں بیان ہو جاتی ہے بلکہ اس آیت کے ذیل میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر فرما کر حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب اس طرح دگئی کہ ہم نے تم کو زمین پر پوری قدرت اور تصرف مالکانہ عطا کیا اور پھر اس میں تمہارے لیے سامانِ عیش حاصل کرنے کے ہزاروں راستے کھول دیے گویا رب العالمین نے زمین کو انسان کی تمام ضروریات سے لے کر تفریحی سامان تک کا عظیم الشان گودام بنادیا ہے اور تمام انسانی ضروریات کو اس کے اندر پیدا فرمادیا ہے اب انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ اس گودام سے اپنی ضروریات کو نکالنے اور ان کے استعمال کرنے کے طریقوں کو سیکھ لے انسان کے ہر علم وفن اور سائنس کی نئی سے نئی ایجاد کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ خالقِ کائنات کی پیدا کی ہوئی چیزیں جو زمین کے گودام میں محفوظ ہیں ان کو سلیقہ کے ساتھ نکالے اور صحیح طریقہ سے استعمال کرے، بیوقوف اور بدسلیقہ آدمی جو اس گودام سے نکالنے کا طریقہ نہیں جانتا یا پھر نکال کر اس کے استعمال کا طریقہ نہیں سمجھتا وہ ان کے منافع سے محروم رہتا ہے سمجھدار انسان دونوں چیزوں کو سمجھ کر ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساری ضروریات انسانی حق تعالیٰ نے زمین میں ودیعت رکھ دی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں حق تعالیٰ کا شکر گزار ہو مگر وہ غفلت میں پڑ کر اپنے خالق ومالک کے احسانات کو بھول جاتا ہے اور انہی اشیاء میں الجھ کر رہ جاتا ہے اسی لیے آخر آیت میں بطور شکایت کے ارشاد فرمایا"" یعنی تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔"[16]

تفہیم القرآن کی روشنی میں:

۱۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ[17]

ترجمہ: ''کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقویم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور تیرے رب کی رحمت اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔''

یہ ان کے اعتراض کا جواب ہے جس کے اندر چند مختصر الفاظ میں بہت سی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں:

پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سپرد کب سے ہوگیا؟ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ (یہاں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمت عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے)۔

دوسری بات یہ کہ نبوت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی کسی اور کے حوالے نہیں کر دی۔ ہم کسی کو حسین اور کسی کو بدصورت، کسی کو خوش آواز اور کسی کو بد آواز، کسی کو قوی ہیکل اور کسی کو کمزور کسی کو ذہین اور کسی کو کند ذہن، کسی کو قوی الحافظہ اور کسی کو نسیان میں مبتلا، کسی کو سلیم الاعضاء اور کسی کو اپاہج یا اندھا یا گونگا بہرا، کسی کو امیر زادہ اور کسی کو فقیر زادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں۔ اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو جو کچھ ہم نے بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے۔ اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا، اور جس پر ہماری طرف سے ادبار آجاتا ہے اسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس عالمگیر خدائی انتظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

تبیان القرآن کی روشنی میں:

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے تفسیر تبیان القرآن میں ایک مقام پر معیشت کی تعریف کرتے ہوئے اس کے لغوی معنی کی وضاحت کی ہے اور اسی سے اصطلاحی معنی بھی بیان کیے ہیں چنانچہ درج ذیل آیت کے تحت وہ فرماتے ہیں:

١۔ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا[18]

ترجمہ: اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

"معاش" کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ: اس آیت میں "معاش" کا لفظ ہے "معاش" "عیش" سے بنا ہے "عیش کے معنی ہے: وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مطلّقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔[19]

معیشت کا معنی ہے: حیات کے ذرائع اور وسائل یعنی زندگی گزارنے کے اسباب۔

دن کو معاش فرمایا یعنی زندگی گزارنے کا وقت ہے، اس وقت میں تم کو نیند سے بیدار کیا جاتا ہے اور نیند موت کی بہن ہے گویا اس وقت میں ہاتھ سر نوزرہ کیا جاتا ہے، اس وجہ سے دن کا معاش ہونا بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

درج بالا آیت کے ذیل میں آپ نے معیشت کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیے ہیں البتہ ایک اور مقام پر آپ نے قدرے تفصیل سے معیشت کا تعارف پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

۲۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ 20

ترجمہ: اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا اور تمہارے لیے اس (زمین) میں اسباب زیست فراہم کیے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

معیشت کا تعارف:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معایش (اسباب زیست) بنائے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معایش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا، آسمان سے بارش نازل فرمائی، پھلوں اور غلوں کو اگایا، حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسباب زیست وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تجارت اور محنت مزدوری کر کے رزق حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان زمین میں بستے ہیں اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فوز و فلاح، اس کی بہتری، سہولت اور مصلحت کے لیے نت نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔ پہلے انسان پتوں سے بدن ڈھانپتا تھا، پھر سوت اور ریشم کے لباس کا دور آیا اور اب انسان پٹرولیم سے بھی لباس بنانے لگا ہے۔ پہلے لکڑی اور کوئل سے آگ حاصل کرتا تھا، پھر قدرت گیس کا دور آیا۔ برقی توانائی کے بعد ایٹمی توانائی کا دور آیا۔ پہلے بری سفر، خچروں اور گھوڑوں سے اور بحری سفر بادبانی کشتیوں سے کیا جاتا تھا۔ پھر موٹر کاروں ریل گاڑیوں اور دخانی جہازوں کا دور آیا اور اب ہوائی جہازوں، ہیلی کاپٹروں اور راکٹوں کا دور ہے۔ بہت سی بیماریوں کا پہلے پتا نہ تھا لوگ ان میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ اب ان بیماریوں اور ان کے علاج کا پتا چلا لیا گیا ہے۔ مثلاً ذیابیطس ہے، ہائی بلڈ پریشر ہے، دل اور دماغ کے پیچیدہ امراض ہیں۔ فالج ہے، دماغ کی رگ کا پھٹ جانا ہے۔ سرجری کا طریقہ ایجاد ہوا اور طب کی دنیا میں بہت سے لاینحل مسئلے حل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب زیست اور ان سے فائدہ اٹھانے والی قوتوں کو انسان کی بہتری اور اس کی مصلحت کے لیے بنایا ہے اور یہ مادی فوائد اس لیے عطا کیے ہیں کہ ان کی مدد سے انسان روحانی حیات میں تزکیہ اور جلاء کو حاصل کرے اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کر کے اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا اہل بنائے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے۔"

اس آیت کے ذیل میں مولانا غلام رسول سعیدی نے تفصیل کے ساتھ معیشت کا تعارف پیش کیا ہے لیکن اس کے تعارف کے لیے انہوں نے عقلی استدلال کیا ہے اور کلامی انداز میں معیشت کے تعارف کو پیش کیا ہے۔

روح القرآن کی روشنی میں:

۱۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا

مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ21

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں زمین میں اقتدار بخشا اور تمہارے لیے معاش کی راہیں کھولیں پر تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد اسلم صدیقی فرماتے ہیں:

یہ قرآن سب کی طرف اللہ کا پیغام ہے اس لیے تمام انسانوں سے خطاب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ دیکھو اس زمین پر اللہ نے تمہیں رہنے کی سہولتیں عطا فرمائیں اور اسی میں تمہاری زندگی کے امکانات رکھے اور تمہارے پھلنے پھولنے کے اسباب پیدا فرمائے۔ زمین کا ایک ایک انچ اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور زمین میں مضمر قوتیں تمہاری خدمت میں لگا دیں اس کے مدفون خزانے تمہاری قوت تسخیر کے لیے ہموار کر دیئے گئے۔ اس کی فضائیں اس کی ہوائیں اس کے سمندر، اس میں چمکنے والے سورج اور چاند اور اس پر تنی ہوئی آسمان کی چھت سب تمہاری خدمت میں لگا دی گئی اور پھر اس میں تمہارے لیے روزی کا سامان رکھا گیا، معیشت کی راہیں کھولی گئیں، قسم قسم کے غلے اگائے گئے اور نوع بہ نوع پھل پیدا کیے گئے۔ خوبصورتی کے وہ وہ مناظر رکھے گئے کہ آدمی دیکھ کر دنگ رہ جائے آنے جانے کے لیے راستے کھول دیئے گئے، پانی کو حکم دیا گیا کہ ہماری کشتیوں کو اٹھائے پھرے، ہواؤں نے ہمارے بادبانوں کو سہارا دیا اور ہمارے لیے جوہر عقل کی وہ نعمت عطا کی گئی جس نے ہمیں ایجادات کی دولت مرحمت کی اور ہم اس قابل ہوئے کہ ہواؤں میں اڑنے لگے اور سمندر کی گہرائیوں کی خبر لانے لگے اور پوری زمین ہماری لیے ہاتھ کی لکیروں کی طرح سمٹ کے رہ گئی۔ ان تمام احسانات کا ذکر فرمانے کے بعد اس کا نتیجہ ہمارے لیے چھوڑ دیا گیا کہ خود سوچو کہ اس کے بعد تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی محسن کے احسانات کا بدلہ احسان شناسی سے ہوتا ہے اور احسان شناسی کا حق اطاعت اور خدمت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ کے احسانات کا بدلہ بھی انسان کی طرف سے یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت کرے اور اس کے احکام کو قبول کر کے اس کے عطا کردہ مقاصد کو اپنی زندگی کے مقاصد بنائے اور اس کی طرف سے آنے والے رسول کی زندگی کو اپنے لیے رہنما سمجھے لیکن اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کو ادائے شکر نہیں بلکہ کفرانِ نعمت کہا جائے گا۔ انسانوں نے چونکہ بالعموم یہی رویہ اختیار کیا اس لیے نہایت افسوس سے فرمایا گیا کہ تم بہت کم شکر بجا لاتے ہو۔ بجائے اللہ کی عبادت و اطاعت کے تم نے اس کے شریک بنا رکھے ہیں اور بجائے اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کے تم نے اس کے رسول کی مخالفت میں کمر باندھ رکھی ہے۔

۲۔ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا22

ترجمہ: اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

اور ہم نے دن کو معاش کی سرگرمیوں کا وقت بنایا، اور معاش کی دوڑ بھاگ کے لیے چونکہ روشنی کی ضرورت تھی اس لیے دن کو روشن بنایا۔ اور پھر یہ رات دن کا الٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک ایسی نمود ہے کہ جس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ اس کے بیشمار فوائد ہیں، لیکن یہاں صرف اس کے ایک فائدے کا ذکر کیا گیا ہے۔ دن کی روشنی نے معیشت کی سرگرمیوں کے لیے آسانی پیدا کی۔ اور انسانی ضروریات اور اس کے مفادات کے حصول کو یقینی بنایا۔ اور رات کو سکون و اطمینان کا ذریعہ بنا دیا۔ جو شخص بھی ان نشانیوں پر غور کرے گا اس میں بصیرت ہوگی تو وہ لازمی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ رات اور دن نہ از خود چکر

کھا رہے ہیں اور نہ ان کا یہ چکر بالکل بے غایت و بے مقصد ہے بلکہ ایک حکیم و قدیر پروردگار مخلوقات کی خدمت کے لیے ان کو اس سرگرمی کے ساتھ مصروف کیے ہوئے ہے تاکہ لوگ ان کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں۔ اور جس نے یہ سب اہتمام کیا ہے اس کے شکر گزار ہوں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ربوبیت کے اس تمام اہتمام کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی جوابدہی کے لیے ایک دن آئے جس میں ہر شخص کا حساب ہو تاکہ نیک اپنے انعام سے محروم نہ رہیں اور برے لوگ اپنی برائی کے انجام سے بے فکر زندگی نہ گزاریں۔

مذکورہ چار تفاسیر کا باہم تقابلی جائزہ

معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحبؒ نے معیشت کی تعریف اور اصطلاحی تعریف کو مقصودی طور پر بیان نہیں کیا بلکہ آپ نے معیشت کے لیے استعمال کیے گئے لفظ ''سامان زندگی'' سے معیشت کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی طرح آپ نے اس کی اصطلاحی تعریف میں پڑے بغیر ہی اس کی اس انداز سے تعبیر اختیار کی ہے جس سے قرآن مجید کے معیشت کو ذکر کرنے کا مقصود اصلی بھی فوت نہیں ہوتا اور اسی کے ذیل میں معیشت کی وہ اصطلاحی تعریف بھی شامل ہو جاتی ہے جو ماہرینِ معیشت کرتے ہیں چنانچہ ان آیات کی تفسیر میں درج ذیل پیرا گراف اس حوالے سے نہایت اہم ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر فرما کر حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب اس طرح دگئی کہ ہم نے تم کو زمین پر پوری قدرت اور تصرف مالکانہ عطا کیا اور پھر اس میں تمہارے لیے سامانِ عیش حاصل کرنے کے ہزاروں راستے کھول دیے گویا رب العالمین نے زمین کو انسان کی تمام ضروریات سے لے کر تفریحی سامان تک کا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے اور تمام انسانی ضروریات کو اس کے اندر پیدا فرما دیا ہے اب انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ اس گودام سے اپنی ضروریات کو نکالنے اور ان کے استعمال کرنے کے طریقوں کو سیکھ لے انسان کے ہر علم و فن اور سائنس کی نئی سے نئی ایجاد کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ خالقِ کائنات کی پیدا کی ہوئی چیزیں جو زمین کے گودام میں محفوظ ہیں ان کو سلیقہ کے ساتھ نکالے اور صحیح طریقہ سے استعمال کرے، بیوقوف اور بدسلیقہ آدمی جو اس گودام سے نکالنے کا طریقہ نہیں جانتا یا پھر نکال کر اس کے استعمال کا طریقہ نہیں سمجھتا وہ ان کے منافع سے محروم رہتا ہے سمجھدار انسان دونوں چیزوں کو سمجھ کر ان سے نفع اٹھاتا ہے۔

زمین میں سامانِ عیش حاصل کرنے کے ہزاروں رستے کھول دینے سے یہ مراد نہیں کہ عیش و عیاشی کے ہزاروں رستے ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے واسطے ضروریاتِ زندگی کا سامان وافر مقدار میں اس زمین میں پنہا ہے لہٰذا اسباب معیشت اختیار نہ کرنے والوں کے لیے آپ نے اس جملے میں ایک لطیف اشارہ فرمایا:

بیوقوف اور بدسلیقہ آدمی جو اس گودام سے نکالنے کا طریقہ نہیں جانتا یا پھر نکال کر اس کے استعمال کا طریقہ نہیں سمجھتا۔

یعنی ان اسباب کو نہ جاننا یا پھر استعمال کا طریقہ نہ جاننے والا انسان بے وقوف ہے گویا آپ اسباب معیشت سے انجان شخص کو بے وقوف گردانتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مفتی شفیع صاحب کے نزدیک معیشت کے تعارف کے ضرورت نہ ہو اور یہ بدیہی چیز ہو جس کو ہر شخص جان سکے شاید اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر میں معیشت کی حکمتوں، اصول و ضوابط اور دیگر نظامہائے معیشت سے مدمقابل تو ذکر کیے ہیں لیکن نفسِ معیشت کا تعارف پیش نہیں کیا۔

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے تبیان القرآن میں معیشت کے تعارف میں لغوی اعتبار سے بھی اس کی تعریف پیش

کی ہے اور اس حوالے سے آپ نے معیشت کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لغت کی کتاب "المفردات" سے حوالہ پیش کیا ہے اور اسی کتاب کا حوالہ بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

" معاش "کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ: اس آیت میں "معانی "کا لفظ ہے "معاش " "عیش "سے بنا ہے "عیش کے معنی ہے: وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مطلّقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے ایک دوسرے مقام پر باقاعدہ معیشت کا تعارف ایک عنوان قائم کر کے اس کی اصطلاحی تعریف بھی قدرے تفصیل سے بیان کی ہے البتہ آپ نے معیشت کا تعارف پیش کرتے ہوئے جدید معاشی کتب کا حوالہ نہیں دیا اسی طرح آپ نے معیشت کا تعارف ایک عقلی اور کلامی انداز سے پیش کیا ہے جس میں آپ نے اسبابِ معیشت کے تعارف سے ابتداء کی چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معایش (اسباب زیست) بنائے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معایش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا، آسمان سے بارش نازل فرمائی، پھلوں اور غلوں کو اگایا، حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسباب زیست وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تجارت اور محنت مزدوری کر کے رزق حاصل کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے انہی اسباب معیشت کے تعارف کے ذیل میں ان الفاظ سے معیشت کی اصطلاحی تعریف بھی پیش کر دی:

کہ انسان زمین میں بستے ہیں اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فوز و فلاح، اس کی بہتری، سہولت اور مصلحت کے لیے نت نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔

آپ نے بھی معیشت کی لغوی و اصطلاحی تعریف پیش کرنے کے بعد اصل میں مقصودِ قرآن کو نظر انداز نہیں کیا اور ان کے مقدمات سے نعمتوں کے شکر کی طرف قارئین کو لے گئے۔ البتہ آپ نے معیشت کا تعارف قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے۔

علامہ مودودیؒ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں معیشت کے نفسِ تعارف کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ آپ نے معیشت کا کی تفسیر کے لیے "گزر بسر کے ذرائع" کا انتخاب کر کے انہی الفاظ سے معیشت کے لغوی و اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ آپ نے اصل میں معاشی اصولوں اور قواعد کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

مولانا محمد اسلم صدیقی صاحب نے روح القرآن میں معیشت کا تعارف اسبابِ معیشت کے تعارف کے ذیل میں پیش کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

کہ دیکھو اس زمین پر اللہ نے تمہیں رہنے کی سہولتیں عطا فرمائیں اور اسی میں تمہاری زندگی کے امکانات رکھے اور تمہارے پھلنے پھولنے کے اسباب پیدا فرمائے۔ زمین کا ایک ایک انچ اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور زمین میں مضمر قوتیں تمہاری خدمت میں لگا دیں اس کے مدفون خزانے تمہاری قوت تسخیر کے لیے ہموار کر دیئے گئے۔

آپ نے صراحتاً معیشت کا تعارف پیش نہیں کیا لیکن اسباب معیشت کے بیان میں یہ واضح کردیا کہ زمین میں اللہ نے اپنے خزانے انسان کے لیے مسخر کردیے ہیں چنانچہ انہی خزانوں کے حصول کو معیشت کہا جاتا ہے۔آپ نے بھی قرآن کریم کے اصلی نقطہ کی طرف توجہ رکھی اور نفسِ معیشت کے تعارف کو مخصوص کرکے موضوعِ بحث نہیں بنایا۔

اسلامی معیشت کے بنیادی اصول

اسلامی معاشیات کے بنیادی اصول ماہرین معاشیات جو ذکر کرتے ہیں ان میں درج ذیل پانچ ہی بنیادی اکاہی واساس ٹھہرتے ہیں:

١۔ حق معیشت میں مساوات

٢۔ درجات معیشت

٣۔ احتکار واکتناز کی حرمت

٤۔ تمام وسائل رزق کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے

چنانچہ درج بالا پانچ اسلامی معاشیات کے بنیادی ارکان کا ان تفاسیر کی روشنی میں جائزہ پیش ہے۔

١۔ حق معیشت میں مساوات:

قرآن کریم سے معیشت کے جن اہم اصولوں کی طرف راہنمائی ملتی ہے ان میں ایک حقِ معیشت میں مساوات ہے۔یعنی اس دنیا میں جتنے بھی معاشی اسباب پائے جاتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کے حق میں تمام انسان برابر ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ [23]

ترجمہ: اور بنادیئے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

قرآن کریم میں اسبابِ معیشت کے مساوی حقوق کو بیان کرنے میں درج بالا آیت اصل ہے اور اسی آیت کی تفسیر میں مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں:

"اور ہم نے تمہارے واسطے اس (زمین) میں معاش کے سامان بنائے (جس میں ضروریات زندگی کی تمام چیزیں داخل ہیں جو کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے سے متعلق ہیں) اور (یہ سامان معاش اور ضروریات زندگی صرف تم کو ہی نہیں دیا بلکہ) ان کو بھی دیا جن کو تم روزی نہیں دیتے (یعنی وہ تمام مخلوقات جو ظاہر میں بھی تمہارے ہاتھ سے خوردونوش اور زندگی گذارنے کا سامان نہیں پاتے ظاہر اس لئے کہا کہ گھر کے پالتو جانور بکری، گائے، بیل، گھوڑا، گدھا وغیرہ بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اپنی روزی اور ضروریات معاش حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے پاتے ہیں مگر ظاہری طور پر ان کے خوردونوش اور رہائش کا انتظام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے ان کے علاوہ تمام دنیا کے بری اور بحری جانور، پرندے اور درندے ایسے ہیں جن کے سامان معاش میں کسی انسانی ارادے اور عمل کا کوئی دخل اور شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ جانور اتنے بے حد وبیشمار ہیں کہ انسان نہ ان سب کو پہچان سکتا ہے نہ شمار کرسکتا ہے) اور جتنی چیزیں (ضروریات زندگی سے متعلق ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں۔[24]

مفتی شفیعؒ کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسباب معیشت میں انسان سارے کے سارے برابر ہیں اور انہیں بغیر کسی مذہب ، رنگ و نسل کے مساوی طور پر خطاب کیا گیا ہے ۔ مفتی شفیعؒ کی تفسیر اسلامی معیشت کے اس اصول کو براہِ راست اگرچہ واضح نہیں کرتی لیکن اشارۃ اس پر دال ہے ، البتہ علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ [25]

ترجمہ : اور بنادیئے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

اور تفسیر میں اس اسلامی اصول کو مزید واضح کیا ہے کہ :

اور اس میں ہم نے تمہارے لیے سامان معشیت پیدا کیا کیونکہ نباتات سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ انسانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب ہے اور جن کو انسان رزق مہیا نہیں کرتا یعنی حیوانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب بھی یہی زمین سے پیدا ہونے والی نباتات ہیں۔ موزون کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن چیزوں کا وزن کیا جاسکے یعنی سونا، چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ معدنیات جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے۔[26]

یعنی یہ خطاب انسان سے ہے کہ اس زمین میں تمہارے واسطے معیشت کے اسباب پیدا کیے ہیں لہٰذا اسباب معیشت کے لیے انسانیت کو یکساں خطاب ہے اس میں کسی طرح کا کوئی تفاوت نہیں ہے۔

ان تفاسیر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت سے اسلامی معیشت کا یہ بنیادی اصول اخذ ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کو اسبابِ معیشت میں برابر کا حق حاصل ہے۔

۲۔ درجات معیشت:

اسلامی معاشی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انفرادی ملکیت کے حقوق کو تسلیم کرتا ہے، اور اگرچہ یہ کمیونزم کی طرح انفرادی ملکیت کے حقوق سے انکار نہیں کرتا، لیکن ساتھ ہی یہ اقتصادی حقوق کی مساوات اور اقتصادی سطحوں کی تقسیم پر یقین رکھتا ہے۔

قانونِ فطرت یہ ہے کہ انسان سارے کے سارے عملی طور پر برابر نہیں ہوسکتے، ہر انسان اگر معاشی طور پر خود کفیل ہوجائے اور کوئی اپنے اسبابِ معیشت کو بروئے کار لاکر پیدائشِ دولت کے قابل بنانے میں اگر کسی بھی دوسرے انسان کا محتاج نہ ہو، تو یہ دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فطرتی اور قدرتی تفاوت اسلام میں بالکل مسلم ہیں، ماضی میں جن معاشی نظاموں نے درجاتِ معیشت کو تسلیم نہیں کیا اور سب کو مساوی قرار دیا، وہ نظام دنیا میں چل نہیں سکے۔

لیکن یہ اسلام کے اس اصول کے خلاف نہیں ہے کہ اسلام معیشت میں مساوات کا قائل ہے، ان دونوں باتوں کو سمجھنے کے لیے علیحدہ علیحدہ درج ذیل نکات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے :

اسلام انفرادی ملکیت کا قائل ہے۔

اسلام حق معیشت میں مساوات کا قائل ہے۔

اسلام درجاتِ معیشت کو تسلیم کرتا ہے۔

یعنی اسلام انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے اور اسبابِ معیشت کے استعمال اور ان سے فائدہ اٹھانے میں تمام انسانوں

کو برابر تسلیم کیا ہے اور کوئی ان اسباب معیشت کو زیادہ اور کوئی کم زیرِ استعمال لاتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں انسان اپنی اپنی محنت کے بقدر صلہ پاتے ہیں، یہاں سے قدرتی طور پر ان میں درجات کا تفاوت پیدا ہونا عقلی ہو جاتا ہے۔

درجاتِ معیشت کا یہ اصول مذکورہ چاروں مفسرین نے بطورِ اصول اور قانون کے اخذ کیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ 27

ترجمہ: کیا یہ (کفار) آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں۔

مفتی شفیع صاحبؒ قرآن کریم کی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہو اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی با اختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں طلب و رسد کا نظام کہا جاتا ہے۔ طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دیکھ کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ اسلام نے طلب و رسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لئے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لئے ہے اور رات کا سونے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت طے نہیں پائی، بلکہ قدرت کے خود کار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے

تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے۔ اسے طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہت طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ (آیت) كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دے، بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال و حرام کی تفریق کر کے سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا ہے پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے لئے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سپرد کب سے ہو گیا؟ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ (یہاں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمت عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے)۔

دوسری بات یہ کہ نبوت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی کسی اور کے حوالے نہیں کر دی۔ ہم کسی کو حسین اور کسی کو بد صورت، کسی کو خوش آواز اور کسی کو بد آواز، کسی کو قوی ہیکل اور کسی کو کمزور کسی کو ذہین اور کسی کو کند ذہن، کسی کو قوی الحافظہ اور کسی کو نسیان میں مبتلا، کسی کو سلیم الاعضاء اور کسی کو اپاہج یا اندھا یا گونگا بہرا، کسی کو امیر زادہ اور کسی کو فقیر زادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں۔ اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو جو کچھ ہم نے بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے۔ اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا، اور جس پر ہماری طرف سے ادبار آ جاتا ہے اسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس عالمگیر خدائی انتظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

تیسری بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو نہ دے دیا جائے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہر طرف تمہیں بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تفاوت ہی تفاوت نظر آئے گا۔ کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسرے کسی چیز سے اس کو محروم کر دیا ہے، اور وہ کسی اور کو عطا کر دی ہے، یہ اس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسروں سے بے نیاز نہ ہو، بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج رہے۔ اب یہ کیسا احمقانہ خیال

تمہارے دماغ میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے اسی کو نبوت بھی دے دی جائے ؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل، علم، دولت، حسن، طاقت، اقتدار، اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیے جائیں، اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے ؟

اس آیت سے مفسرین کرام نے درجاتِ معیشت میں تفاوت کا یہ اصول نہ صرف اخذ کیا بلکہ اس کی عقلی توجیہات بھی کیں اور دلائل سے اس کو مزین بھی کیا۔

۳۔ احتکار واکتناز کی حرمت:

اسلامی معیشت کے اہم اصولوں میں سے احتکار کی ممانعت شامل ہے۔ لغت میں "احتکار" ذخیرہ اندوزی کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ القاموس المحیط میں ہے:

وبالتحريكِ: ما احْتُكِرَ، أي احْتُبِسَ انْتِظاراً لِغَلائِهِ[28]

احتکار کہتے ہیں کسی چیز کو اس لیے روک کے رکھنا کہ وہ مہنگی ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے اشیاء کو اس نیت سے روک کر رکھنے کی ممانعت کی ہے تاکہ وہ قلّت کے سبب جب مہنگے نرخوں بکنے لگے تو یہ نکال کر مہنگے داموں فروخت کرے۔ اسلام اس کی سختی سے ممانعت کرتا ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ، ضَرَبَهُ اللَّهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ»[29]

حدیث میں ہے جو شخص مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، اللہ اسے افلاس اور جذام میں مبتلا کرتا ہے۔

المحتكر ملعون[30]

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔

درج بالا نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں ہے اور اس کی سخت ممانعت ہے۔

تفسیر معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحبؒ نے احتکارِ دولت پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کے لیے آپ نے دو مقامات پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

١۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ[31]

ترجمہ: اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ

سے، اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوش خبری سنا دے عذاب دردناک کی، جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی، پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب مزہ چکھو اپنے گاڑنے کا۔

۔۔۔یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی یہ بیماری کہ پیسوں کے لالچ میں غلط فتوی دیدیں چونکہ حب مال اور حرص دنیا کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے آیت مذکورہ میں حب مال کے اندر غلو کے نتائج بد اور عذاب الیم کا بیان اور اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے (آیت) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ،یعنی جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا کے لفظوں سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ بقدر ضروری اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ جمع کیا ہوا مال ان کے حق میں مضر نہیں۔

حدیث میں خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوۃ ادا کردی جائے وہ كَنَزْتُمْ میں داخل نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں۔

جمہور فقہاء وائمہ کا یہی مسلک ہے وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا کی ضمیر فضۃ کی طرف راجع ہے، جس کے معنی چاندی کے ہیں، اوپر سونے اور چاندی دو چیزوں کا ذکر تھا مگر ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع کی گئی، تفسیر مظہری میں اس کو اشارہ اس بات کا قرار دیا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی۔

یعنی زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کو یہ عذاب الیم اس دن ہو گا جب کہ ان کے جمع کئے ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیئے جائیں گے، اور ان سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، سو اپنے جمع کئے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاء عمل عین عمل ہے جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کا عذاب بن گیا۔

اس آیت میں داغ لگانے کے لئے پیشانیوں، پہلوؤں، پشتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یا تو اس سے مراد پورا بدن ہے، اور یا پھر ان تین چیزوں کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ بخیل آدمی جو اپنا سرمایہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نہیں چاہتا، جب کوئی سائل یا زکوۃ کا طلبگار اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل آتے ہیں، پھر اس سے نظر بچانے کے لئے یہ داہنے بائیں مڑنا چاہتا ہے اور اس سے بھی سائل نہ چھوڑے تو اس کی طرف پشت کر لیتا ہے اس لئے پیشانی، پہلو، پشت اس عذاب کے لئے مخصوص کئے گئے۔

۲۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ

اتَّقُوا اللّٰہَ ۱ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ[32]

ترجمہ: تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ،

دولة ، بضم دال اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا آپس میں لین دین کیا جائے (معنی آیت کے یہ ہیں کہ مال فئی کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے) تاکہ "یہ مال تمہارے مالداروں اور تونگروں میں گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے"۔ اس میں اشارہ اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی طرف ہے جس میں اس طرح کے تمام اموال پر رئیس خود قابض و مالک ہو جاتا تھا، غریبوں، مسکینوں کے حق کا اس میں کوئی حصہ نہ رہتا تھا۔

اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری:

حق تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے، اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا، خاندانی اور طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصل ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے، ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے، ہوا، فضا، آفتاب، ماہتاب اور سیاروں کی روشنی، فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا، ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسا وقف عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکوت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی، یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیاء ضرورت کی دوسری قسم زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں، یہ اگرچہ اتنی عام نہیں مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جما لیتے ہیں، لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں، کسانوں، مزدوروں کو ساتھ لئے حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسم سونا، چاندی، روپیہ پیسہ ہے، جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں، مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے اور یہ معاون سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے اور ان سے ان کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے، دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے، اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتناز دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے، جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی، عام غریب مساکین محروم کر دیئے

گئے جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔ اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کے برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا، دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا، تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور عوام کو محروم کر دے۔

مولانا مودودیؒ نے بھی اس آیت پر تفصیلی بحث کی اور اس کے بارے میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا:

"یہ قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے جس میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں ہی میں گھومتا رہے، یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ قرآن مجید میں اس پالیسی کو صرف بیان ہی کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اسی مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا ہے، زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، اموال غنیمت میں خمس نکالنے کا حکم دیا گیا، صدقات نافلہ کی جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے، مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئی ہیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھیر دیا جائے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے، خوشحال طبقوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے جسے خیرات نہیں بلکہ ان کا حق سمجھ کر ہی انہیں ادا کرنا چاہیے اور اسلامی حکومت کی آمدنی کے ایک بہت بڑے ذریعہ، یعنی فَے کے متعلق یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ اس کا ایک حصہ لازماً معاشرے کے غریب طبقات کو سہارا دینے کے لیے صرف کیا جائے۔"

پیر کرم علی شاہؒ نے اس آیت میں تفصیلی بحث کی ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ سیاق کلام کے اعتبار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اشارہ انھیں اہل کتاب کے علماء اور یہود کی طرف ہے، جن کی زر پرستی کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگر صرف اہل کتاب مراد ہوتے تو پھر الذین کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس کا اسلوب بھی عام تعلیم کا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ بھی حبِّ دنیا کے اسیر ہوں گے اور سونا چاندی جمع کرنا اور انھیں سینت سینت کر رکھنا ان کی زندگی کا مقصد ہوگا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے ہوں گے، وہ سب اس میں شامل ہیں۔ چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں اور چاہے مسلمانوں میں سے کیونکہ اسلام نے سونا چاندی یعنی دولت دنیا کو ضرورت کی چیز بنایا ہے مقصد نہیں اور مزید یہ کہ یہ انسان کی ملکیت نہیں بلکہ امانت ہے اور امانت کی ہمیشہ ادائیگی کی فکر ہوتی ہے کوئی بھی اسے سینت سینت کر رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اسے اللہ کے راستے میں خرچ ہوتے رہنا چاہیے۔ اللہ کے راستے سے مراد ہر وہ مصرف ہے جس سے مخلوق خدا کی ضرورتیں پوری ہوتیں اور اللہ کے دین کی نشرواشاعت اور سربلندی میں مدد ملتی ہے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سال بہ سال آدمی اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالے، مال نقدی کی صورت میں ہو یا تجارت کی شکل میں، زراعت ہو یا مویشیوں کے ریوڑ، ہر ایک میں اللہ نے نصاب بھی مقرر کیا ہے اور زکوٰۃ کی مقدار بھی۔ جو شخص پوری احتیاط کے ساتھ زکوٰۃ

نکالتا ہے اس کا مال اسے کوئی نقصان نہیں دیتا۔ بشرطیکہ ملک کے حالات، مسلمانوں کی ضرورتیں، اس کا گردوپیش اس سے مزید طلب نہ کرتا ہو۔ اگر جنگ چھڑ جاتی ہے اور جنگی ضرورتیں اہل وطن سے ایثار کا مطالبہ کرتی ہیں یا ملک میں قحط پھیل جاتا ہے، لوگ بھوک سے بلبلا اٹھتے ہیں یا اڑوس پڑوس میں یتیموں مسکینوں یا بیواؤں کی ضرورتیں صدقات واجبہ سے پوری نہیں ہوتیں یا کسی نادار اور لاوارث کی بے گور و کفن لاش مزید ایثار کی متقاضی ہے تو ایسی صورت میں صرف زکوٰۃ کافی نہیں بلکہ اللہ کے راستے میں مزید انفاق کرنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ[33]

ترجمہ: تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اور کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو، اور جس سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

درحقیقت اسلام کے پیش نظر یہ ہے کہ ملک کے وسائل اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہونا چاہیے، غریبوں سے امیروں کی طرف نہیں۔ ملک کے زیادہ تر وسائل غریبوں کے درمیان حرکت میں آئیں تاکہ بے وسیلہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر ان کا راستہ امیروں کے لیے آسان کر دیا جائے گا اور غریبوں کے لیے مشکل تو پھر وہ دولت امیروں کے درمیان حرکت کرے گی جیسے آج کر رہی ہے اور غریب اس سے محروم رہیں گے۔

۴۔ تمام وسائل رزق کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے

اسلامی معاشی نظام میں ایک بنیادی اسلامی تصور یہ ہے کہ جتنے بھی وسائل رزق ہیں ان کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ تصور اسلامی معاشی نظام کی بہت سی قیود کو واضح کر دیتا ہے مثلاً کہ انفرادی ملکیت میں بالکل آزاد نہ چھوڑنا، ذخیرہ اندوزی کی ممانعت، زکوٰۃ و صدقات کا وجوب اور دیگر ایسے احکامات کے ماننے میں یہ تصور مد و معاون ثابت ہوتا ہے کہ جب تمام وسائل کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے تو وہ ان وسائل کے استعمال میں اصول و ضوابط اور قیودات لگانے میں حق بجانب ہے۔ اسی طرح یہ تصور ان تمام قبیح اوصاف سے روکنے میں معاون ثابت ہوتا ہے جو ایک صالح معاشرے کے انہدام میں کسی بھی طرح معاشی طور پر کارفرما ہو سکتے ہیں اس تصور پر قرآن کریم کی کئی آیات دلالت کرتی ہیں جن کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [34]

"تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم جھوٹ گھڑ رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے، اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ تم اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہو۔"

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ[35]

"اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کے مالک ہیں اور نہ وہ اس کا اختیار رکھتے ہیں۔"

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَفَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ [36]

"اے لوگو! تم پر جو اللہ کے انعامات ہیں انہیں یاد رکھو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو۔"

اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ [37]

ترجمہ: اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے (تو ہم کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم مخلوقات کی روزی رسانی ان کے متعلق کرتے اور وہ) قوت والا نہایت قوت والا ہے (کہ اس میں عجز و ضعف اور کسی قسم کی احتیاج کا عقلی احتمال بھی نہیں تو ان سے کھانا مانگنے کا کوئی امکان ہی نہیں)۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"اور یہ جو فرمایا کہ میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، اس میں ایک لطیف تعریض ہے۔ خدا سے برگشتہ لوگ دنیا میں جن جن کی بندگی بجا لا رہے ہیں، وہ سب در حقیقت اپنے ان بندوں کے محتاج ہیں۔ یہ ان کی خدائی نہ چلائیں تو ایک دن بھی وہ نہ چلے۔ وہ ان کے رازق نہیں بلکہ الٹے یہ ان کو رزق پہنچاتے ہیں۔ وہاں ان کو نہیں کھلاتے بلکہ الٹے یہ ان کو کھلاتے ہیں۔ وہ ان کی جان کے محافظ نہیں بلکہ الٹے یہ ان کی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کے لشکر یہ ہیں جن کے بل پر ان کی خدائی چلتی ہے۔ جہاں بھی ان جھوٹے خداؤں کی حمایت کرنے والے بندے نہ رہے، یا بندوں نے ان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا وہاں ان کے سب ٹھاٹھ پڑے رہ گئے اور دنیا کی آنکھوں نے ان کی کسمپرسی کا حال دیکھ لیا۔ سارے معبودوں میں اکیلا ایک اللہ جل شانہ ہی وہ حقیقی معبود ہے جس کی خدائی اپنے بل بوتے پر چل رہی ہے، جو اپنے بندوں سے کچھ لیتا نہیں بلکہ وہی اپنے بندوں کو سب کچھ دیتا ہے۔"

اصل میں لفظ "متین" استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں مضبوط اور غیر متزلزل، جسے کوئی ہلا نہ سکتا ہو۔

علامہ غلام رسول سعیدیؒ اس اصولِ معیشت کو اس انداز سے ثابت کرتے ہیں:

ا۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ [38]

ترجمہ: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے

سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: رزق سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہیں، مثلاً بارش اور برف وغیرہ، بارش کے پانی سے کھتیاں اگتی ہیں اور بارش کا پانی پی کر مخلوق زندہ رہتی ہے اور برف سے چشمے قائم رہتے ہیں۔

حسن بصری جب بادل کو دیکھتے تو کہتے تھے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارا رزق ہے، لیکن تم اپنے گناہوں کی وجہ سے اس

رزق سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

ابن کیسان نے کہا: یعنی آسمان کے رب کے ذمہ تمہارا رزق ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔[39]

روئے زمین کے ہر چوپائے (جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

سفیان ثوری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اللہ کے نزدیک آسمان میں تمہارا رزق ہے، ایک قول یہ ہے کہ آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور جو بھی تمہارا رزق مقدر ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔

نیز فرمایا: اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، عام ازیں کہ تم سے ثواب اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہو یا تم کو قیامت اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہو۔

۶۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ[40]

ترجمہ: بیشک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے

اس آیت میں رزق قوت اور متین کے الفاظ قابل تشریح ہیں:

رزق کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"رزق" کا اطلاق اس عطا پر ہوتا ہے جو مسلسل ہو، خواہ وہ عطا دنیاوی ہو یا اخروی اور کبھی اس کا اطلاق نصیب اور حصہ پر بھی ہوتا ہے اور کبھی رزق کا اطلاق اس غذا پر بھی ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے، کہا جاتا ہے: سلطان نے لشکر کو رزق عطا کیا اور علم عطا کرنے پر بھی رزق کا اطلاق کیا جاتا ہے، عطاء دنیوی پر رزق کا اطلاق ان آیات میں ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ۔[41]

ہم نے تم کو جو کچھ عطا کیا اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک پر موت آئے۔ یعنی ہم نے تم کو مال، عزت، مرتبہ اور علم عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

پیر کرم علی شاہ الازھریؒ لکھتے ہیں:

۴۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ[42]

ترجمہ: اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے

جزاء وسزا کی آسمان میں نشانیاں

اس آیت میں آسمان کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس سلسلے میں صرف دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں تمہارا رزق ہے۔۔۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ رزق سے مراد وہ سب کچھ ہے جو دنیا میں انسان کو جینے اور کام کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ اور مَا تُوعَدُونَ وعید سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم بالا سے تمہارے لیے رزق اترتا ہے اسی طرح وہیں سے اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کو قیامت کے

لیے دلیل بنایا گیا ہے کہ تم خود دیکھتے ہو کہ جب بارش اترتی ہے تو خشک اور مردہ زمین نہ صرف زندہ ہوتی ہے بلکہ اس کی قوت روئیدگی بر سر کار آجاتی ہے۔ اسی طرح قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جب عذاب آتا ہے تو قومیں تباہ کر دی جاتی ہیں۔

نتائج البحث

مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

1. قرآن کریم معیشت کے اصول فراہم کرتا ہے وہ معاشی نظام سے اس طرح بحث نہیں کرتا جس طرح معیشت کی کتب بیان کرتی ہیں۔
2. قرآن کریم کے بتائے گئے معاشی اصول زمان کی قید سے بالاتر ہیں اور ہر زمانے میں قابلِ عمل و قابلِ نفاذ ہوتے ہیں۔
3. قرآن کریم کے معاشی اصول مفسرین کرام نے اخذ کیے۔
4. اردو مفسرین نے بھی قرآن کریم کی ان آیات سے صرف رسمی تفسیر تک بحث کو منحصر نہیں کیا بلکہ اسلامی معاشی نظام کے اصول کے طور پر ان آیات کی تفسیر بیان کی۔
5. قرآن کریم کی آیات کی مستند تفاسیر اصولِ معیشت بیان کرتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام انہی اصولوں کی بنیاد پر ایک مکمل معاشی نظام وضع کرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، المکتبۃ العصریہ-الدار النموذجیہ، بیروت–صیدا1420ھ/1999م، ص:223
2ابو منصور، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی–بیروت، 2001م، ج:3، ص:39
3ایضا
4الزبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، الناشر: دار الہدایہ، ج:17، ص:283
5افریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر–بیروت، 1414ھ، ج:6، ص:321
6الفارابی، ابو نصر اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، دار العلم للملایین – بیروت، 1407ھ- 1987 م،

ج:3، ص:1013

7 طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، اقتصادیاتِ اسلام (بنیادی تصوارت)، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، نومبر 2007ء، ص:54

8 ایضا، ص:55

9 ایضا، ص:57

10 آپ کا نام محمد بن محمد ہے، ابو حامد کنیت ہے، آپ کی پیدائش ۴۵۰ھ میں ہوئی، غزالی سے مشہور ہیں، آپ ایک مایہ ناز امام، فقیہ، علمِ کلام کے ماہر، کئی کتب کے مصنف اور ایک گہری نظر رکھنے والے زاہد صوفی تھے، آپ کی مشہور کتب میں احیاء العلوم اور الوسیط فی المذھب سر فہرست ہیں، آپ کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی۔ (ابن صلاح، طبقات الفقہاء الشافعیہ، ج:1، ص:249)

11 کیمیائے سعادت، ص:266، بحوالہ: ڈاکٹر طاہر القادری، اقتصادیاتِ اسلام (بنیادی تصوارت)، ص:53

12 ابنِ خلدون، علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون، (مترجم مولانا عبدالحق حقانی)، المیزان ناشران وتاجران کتب لاہور، المقدمہ، باب:5، فصل:2، ص:491

13 دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، (مترجم: مولانا عبدالحق حقانی)، فرید بک اسٹال لاہور، باب:22، ص:81

14 چیمہ، چوہدری غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام، علم و عرفان پبلشرز لاہور، 2007ء، ص:19

15 الاعراف:10

16 معارف القرآن، ج:3، ص:524

17 سورۃ الزخرف:32

18 سورۃ النبا:11

19 المفردات، ج2، ص458

20 الاعراف:10

21 ایضا

22 سورۃ النبا:11

23 الحجر:20

24 معارف القرآن، ج5، ص290

25 الحجر:20

26 تبیان القرآن، ج6، ص261

27 الزخرف:32

28 القاموس المحیط، ص:378

29 سنن ابن ماجہ، ج2، ص:729

30 کنزالعمال،ج:4،ص:98
31 التوبہ:34،35
32 الحشر:7
33 ایضا
34 العنکبوت: 17
35 النحل:73
36 فاطر:3
37 الذاریات:58
38 ایضا:22
39 ھود:6
40 الذاریات:58
41 المنافقون:10
42 الذاریات:22